sabaqeurdu.com
ISSN-2321-1601
UGC CARE LISTED MONTHLY JOURNAL

سبق اردو

79

اکتوبر ۲۰۲۲

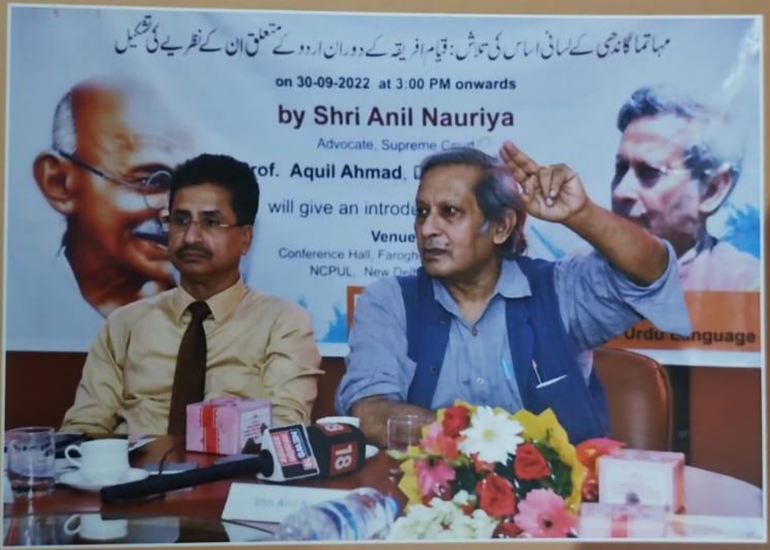

گاندھی جی کا فلسفۂ حیات ہر زمانے اور ملک کے لیے کارگر ہے: پروفیسر شیخ عقیل احمد

گاندھی جی کے لسانی نظریے کو سمجھنے کے لیے ان کے قیامِ افریقہ کے عہد کا مطالعہ ضروری: انل نوریا

گاندھی جینتی کے موقعے پر قومی اردو کونسل کی جانب سے 'قیامِ افریقہ کے دوران اردو کے متعلق مہاتما گاندھی کے نظریے کی تشکیل' کے عنوان سے خصوصی لیکچر کا اہتمام۔

۱: معصوم علی
۲: ڈاکٹر عبدالجبار
سید محمد عثمان
شاہینہ پروین
عبدالمتین
معین احمد
ڈاکٹر محمد حسن
وکرم بندیال
ڈاکٹر آفاق ندیم خان
خان زاہد
ڈاکٹر رافیعہ اختر
ڈاکٹر محمد شکور
اسرار احمد خان
شبنم پروین
علیم اللہ
ڈاکٹر شاہباز عالم
ڈاکٹر عبدالواسع
شمیم اختر
شمیرہ خانم
سوشیل بکار
عبدالرحمان
محمد مصطفیٰ زبیر
اے۔آر۔منظر
سوشیل بکار
نجم الثاقب عباسی
محمد لیاقت احمد
ناہید افشاں
ڈاکٹر محمد عاشق خان
عطاءاللہ عتو
نازنین خاتون
محمد ندیم
سائرہ سلطانہ
ڈاکٹر نور نبی انصاری
محمد سعد ظفر
نثار احمد
ڈاکٹر زیب النساء سعید
محمد شاہد
راحیلہ

سبق اردو

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: ڈاکٹر محمد سلیم
سرنامۂ سرورق : عادل منصوری
جلد :۷، شمارہ :۱۰
اکتوبر ۲۰۲۲
موبائل: 9919142411
سرورق : دانش الہ آبادی
Net Banking:SABAQ -E-URDU(MONTHLY)
واٹس ایپ: 9696486386
کمپوزنگ : دانش الہ آبادی، اہل قلم
IFSC BARB 0 GOPI BS A/C28240200000214
sabaqeurdu@gmail.com
مطبع: عظیم انڈیا پریس، گوپی گنج، بھدوہی
Bank of Baroda, Branch: Gopiganj
فی شمارہ: -/200، زرتعاون: -/1000 زرتعاون خاص: -/2000، اعزازی تعاون: -/5000
Gopiganj-221303,Dist.Bhadohi,UP,INDIA

کسی بھی تحریر سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔ کسی بھی معاملے کی سنوائی صرف ضلع س۔ر۔ن۔(بھدوہی) ہی کی عدالت میں ہوگی۔ادارہ

چیف ایڈیٹر ڈاکٹر دانش الہ آبادی

دانش الہ آبادی	اداریہ	
مظفر عالم	عبداللہ حسین کے ناول 'اداس نسلیں' کا تہذیبی مطالعہ	۵
ڈاکٹر حنا آفریں	منٹو کا افسانہ 'نیا قانون': ایک تجزیہ	۸
ڈاکٹر آفاق انجم شیخ	پریم چند کی افسانہ نگاری کے اَدوار	۱۱
محمد ارشد القادری	پیغام آفاقی کے ناولوں کا معاشرتی مطالعہ	۱۳
نور صبا	اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو کا تنقیدی جائزہ	۱۷
ڈاکٹر مجاہد الاسلام	قاضی عبدالستار کی ناول نگاری۔ ایک تنقیدی جائزہ	۲۰
طارق احمد بٹ	کشمیری لوک ادب۔ دانشمندی کا خزینہ	۲۳
۱: رئیس راجا بیگ ۲: سجاد حسن خان	خطہ جموں میں بدھ مت کا تاریخی پس منظر	۲۷
عامر عباس	مشرف عالم ذوقی: مایہ ناز فکشن نگار	۳۰
نصرت رشید	اقبال اور اخلاقیات کا مختصر جائزہ	۳۲
ڈاکٹر محمد اشرف	ریاست جموں و کشمیر کے ادبی اور تمدنی ادارے	۳۵
ریاض احمد کمہار	غالب اور اقبال: تراکیب کے حوالے سے	۳۷
انعام الرحمٰن	اکیسویں صدی میں اردو لسانیات اور مرزا خلیل احمد بیگ	۳۹
محمد اسلم	انور جلالپوری کی نعتیہ شاعری	۴۲

پریم چند کی افسانہ نگاری کے اَدوار

ڈاکٹر آفاق انجم شیخ

زمانے کی تیز روی نے فرصت اور فراغت کا ماحول ختم کر دیا تو انسان کے پاس طویل داستانوں اور ضخیم ناولوں کو پڑھنے کے لئے وقت نہ رہا۔ اس عدیم الفرصتی کی وجہ سے مختصر کہانیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ مختصر کہانیوں کو رواج ملا اور یہ مختصر کہانی افسانہ کہلائی۔ اُردو میں افسانہ بھی ناول کی طرح مغرب ہی کی دین ہے۔ مغرب میں یہ شارٹ اسٹوری کہلائی اور مشرق میں افسانہ۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اُردو افسانے کی روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔

"اُردو کی روایات میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کے باعث مختصر افسانہ فطری طور پر اس میں رائج ہوتا۔ اِس کا بیج یہاں کی ادبی زمین میں پھوٹا نہیں بلکہ مغرب سے اِس کا پودا لا کر لگایا گیا، عرصے تک آبیاری کی گئی تب کہیں وہ جا کر پروان چڑھا۔" [۱]

'افسانہ' فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی قصہ، کہانی، ماجرا یا سرگذشت کے ہوتے ہیں۔ انسان فطری طور پر قصے کہانیوں کا دلدادہ رہا ہے۔ کہانی سننا اور سنانا اس کا پسندیدہ شُغل رہا ہے۔ افسانے کی بنیادی غرض بھی تفنّنِ طبع اور لطف و انبساط ہے۔ احمد صدیق مجنوں گورکھپوری افسانے کی غرض و غایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔

"افسانہ دراصل افسانہ ہے اور اِس کی غایت جی بہلانا اور تکان دُور کرنا ہے۔" [۲]

افسانہ جدید صنعتی اور مشینی دور کی پیداوار ہے۔ عصرِ حاضر میں افسانے کی ضرورت و اہمیت کے تعلق سے سلام سندیلوی یوں رقمطراز ہیں۔۔۔۔۔۔

"عدیم الفرصتی کی بناء پر انسان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ ضخیم کتب کا مطالعہ کر کے طولانی ناولوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس کو مختصر ادبی فن پاروں کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ وہ اپنی رومانی تشنگی کو بجھا سکے۔ انہی حالات کے تحت افسانے کی ایجاد ہوئی۔" [۳]

اُردو افسانہ اپنے سفر کے ابتدائی دور میں کافی نشیب و فراز سے گزرا۔ مختلف مراحل میں زمانے کی تیز و تند ہواؤں اور انسان کے تغیر پذیر رویّوں کا شکار رہا۔ کبھی اس نے فنّی و لِسانی بلندیوں کو چھو کر دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کی، تو کبھی وہ اپنے گرد و پیش کے حالات کے کرب سے چیخ اٹھا۔ کبھی افسانہ سستی اشتہار بازی کا شکار ہو کر مختلف فلاسفہ کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا، تو کبھی وہ ابہام کی بھول بھلیّوں میں اس دیوانگی کے عالم میں گم ہوا کہ اس کے دوش بدوش سانس لیتے نفوس بھی اس کے وجود اور مقصدیت کو چھو نہ سکے۔ افسانے کے اسی تذبذب نے اُردو ادب میں افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ اکثر قاری اور نقاد کو بھی اُلجھن میں ڈال دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ افسانہ رومانی سحر انگیزیوں، اشتہاری مقصدیت اور ابہام کی بھول بھلیّوں سے بہت حد تک آزاد ہو گیا، اور اب نیا افسانہ حقیقت کی معرفت اور اسلوب کی جاذبیت کی بنیادوں پر پورے استحکام کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے۔ افسانہ کے جسم میں گردش کرنے والی روح اب حقیقت سے کافی مانوس ہو گئی ہے۔ اب اسے محض تخیل کی لامتناہی فضاؤں میں محوِ پرواز ہونا گوارا نہیں ہے، بلکہ وہ حقیقی مناظر کو تصوراتی رنگ و روغن سے مزیّن کر کے دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب حقیقت نگاری ایک نئے روپ میں افسانہ کی سانسوں کے زیر و بم میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ اُردو افسانے کے آغاز اور اوّلیت کے تعلق سے خاصے اختلافات رہے ہیں۔ حالانکہ اُردو افسانے کی عمر کچھ اتنی طویل بھی نہیں کہ یہ تحقیق کیلئے کوئی بہت بڑا اور پیچیدہ مسئلہ ہو۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ راشد الخیری کا افسانہ 'نصیر اور خدیجہ' اُردو کا پہلا افسانہ ہے۔ کچھ محققین سجاد حیدر یلدرم کے افسانہ 'دوست کا خط' کو تو اکثر پریم چند کے افسانوی دُنیا کا سب سے انمول رتن 'کفن' کو اُردو

کا پہلا افسانہ تسلیم کرتے ہیں۔ اِس تعلق سے ڈاکٹر پروین اظہر لکھتی ہیں۔۔۔۔۔۔

"پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم اُردو افسانے کے مبتدی کہلائے۔ پریم چند نے حقیقت نگاری کی علمبرداری کی اور سجاد حیدر یلدرم نے تصوراتی دُنیا کے نقشے پیش کیے۔" [۴]

اِس میں کوئی دو رائے نہیں کہ پریم چند نے افسانہ نگاری کے فن سے اُردو دنیا کو روشناس کرایا۔ فنّی اعتبار سے افسانہ کے تمام تر اجزائے ترکیبی، فنّی کمالات اور اسلوب نگارش سب سے پہلے پریم چند کے افسانوں میں محسوس کیے گئے۔ اسی لئے پریم چند کو اُردو افسانہ کا موجد تسلیم کیا گیا۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے اپنے خیالات یوں قلمبند کیے ہیں۔۔۔۔۔۔

"اُردو میں افسانہ نگاری کی بنیاد منشی پریم چند (۱۸۸۰ء۔۱۹۳۶ء) نے ڈالی۔ اُن سے قبل اُردو میں مختصر کہانیوں کے لکھنے کا باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ اِس لیے افسانہ نگاری کی ابتدا کا سہرا منشی پریم چند کے سر ہے۔" [۵]

پریم چند ۳۱، جولائی ۱۸۸۰ء کو ریاست اتر پردیش کے شہر وارانسی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں لمہی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام دھنپت رائے شریواستو تھا۔ ابتدا میں نواب رائے کے قلمی نام سے لکھنے لگے۔ کاغذ اور قلم سے پریم چند کا رشتہ بالکل سچا اور گہرا تھا۔ وہ دیوانگی کی حد تک لکھنے پڑھنے کے عادی تھے۔ انہوں نے اُردو افسانے کو ایک نئی جہت بخشی اور کئی لازوال افسانوں کو سپردِ قرطاس کیا۔ پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' ۱۹۰۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں آزادی و حریت پسندی، غلامی سے نجات اور علمِ بغاوت بلند کرنے کے موضوعات کو سمیٹا گیا تھا، جس کے باعث انگریز حکومت نے اس مجموعہ کی تمام کاپیاں ضبط کر لی اور سخت پابندی عائد کر دی۔ پریم چند اس وقت تک نواب رائے کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ اس سانحہ کے بعد اُردو مجلّہ 'زمانہ' کے مدیر اور پریم چند کے قریبی دوست منشی دیا نارائن نگم کے مشورے پر وہ پریم چند کے قلمی نام سے لکھنے لگے۔ اُن کی ابتدائی تخلیقات 'زمانہ' ہی میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ کاغذ قلم سے پریم چند کا رشتہ آخری سانس تک جاری رہا۔ آخری ایّام میں وہ شدید بیمار پڑے اور اپنا آخری ناول 'منگل سوتر' مکمل کرنے سے قبل ہی ۸، اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اِس ناول کی تکمیل اُن کے بیٹے امرت رائے نے کی۔ دیہات کی تصویر کشی پریم چند کے افسانوں کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ پریم چند کی افسانہ نگاری کا ایک اور اہم پہلو اصلاح پسندی ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے ہندوستانی سماج میں پھیلی برائیوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں کا استحصال، کسانوں پر ظلم و ستم، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی زیادتیاں، اونچی ذات والوں کا دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اسی طرح کی دوسری برائیاں ان کے حساس دل کو تڑپا

دیتی ہیں اور وہ اپنے افسانوں میں ان برائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ پریم چند کے افسانوں میں مقصدیت کا عنصر غالب ہے۔ ان کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقاء نظر آتا ہے۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' سے لے کر آخری دور کے مجموعوں 'واردات' اور 'زادِ راہ' کے افسانوں میں بڑا واضح فرق نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے پریم چند کی افسانہ نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء کے عرصے پر محیط ہے۔ دوسرا دور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۲ء تک اور تیسرا دور جو نسبتاً مختصر ہے ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۶ء پر مشتمل پریم چند کی زندگی کے آخری چار سالوں کا احاطہ کرتا ہے۔ پہلے دور کے افسانوں میں رومانی تصورات نمایاں ہیں۔ دوسرے دور میں معاشرتی برائیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی ہے، اسی طرح سیاسی موضوعات بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔ آخری دور کے افسانوں میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس مختصر مگر اہم دور میں پریم چند نے کئی ناقابلِ فراموش افسانے لکھے۔ یہ شاہکار افسانے اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

جس دور میں پریم چند کا فطری وجدان بصورتِ افسانہ صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوا اور جس زمانے میں پریم چند نے افسانہ کو اپنے اظہارِ افکار کا ذریعہ بنایا، وہ زمانہ داستان گوئی سے عبارت تھا۔ طویل داستانیں اور ضخیم ناول زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر دائمی شکل اختیار کر رہے تھے۔ انسانی جذبات و احساسات کے اظہار کا واحد ذریعہ داستان نگاری تھا۔ اس صنف میں قارئین کے لئے سبق آموز واقعات بھی تھے اور تفریحِ طبع کا سامان بھی۔ 'داستانِ امیر حمزہ'، 'باغ و بہار'، 'الف لیلیٰ' جیسی داستانیں ادب میں اپنا سکّہ بٹھا چکی تھیں۔ اُردو ادب کے دامن میں کئی ایسے شاہکار ناول بھی موجود تھے جنہوں نے اردو کے تخیلاتی رنگ کو حقیقت نگاری کی تزئین کاری سے نکھار دیا تھا۔ مولوی نذیر احمد کا تحریر کردہ اُردو کا پہلا ناول 'مراۃ العروس'، رتن ناتھ سرشار کا ناول 'فسانۂ آزاد'، مرزا ہادی رُسوا کا 'اُمراؤ جانِ ادا' جیسے لافانی اور شاہکار ناول موجود تھے، جو آج بھی اُردو ادب کا سرمایہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ پریم چند نے اسی داستان گوئی کے طلسمی ماحول کو ادبی حلقے میں اپنے اردگرد پایا۔ لہٰذا جب انہوں نے افسانہ نگاری کیلئے قلم سنبھالا تو غیر ارادی طور پر ان کے افسانوں پر داستانوی رنگ اور رومانیت کی ہلکی پرت نظر آئی۔ پریم چند کے افسانوں کی طوالت دراصل ان کی اسی تفصیل نگاری کی مرہونِ منت ہے، جو انہیں داستان گوئی سے ورثہ میں ملی تھی۔ خوبصورت منظر نگاری پریم چند کی افسانوں کا خاصہ ہے۔ وہ گاؤں دیہاتوں کا ایسا منظر کھینچتے ہیں کہ پورا نقشہ قاری کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں سیاسی موضوعات کو بھی بڑی خوبی سے برتا ہے۔ آزادی کی جدوجہد پورے ملک میں شباب پر تھی، اسی تاثر کے زیرِ اثر اُن کا پہلا افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' شائع ہوا، جس میں شامل افسانے قوم پرستی اور حُبّ الوطنی کے جذبات سے سرشار تھے۔ اس مجموعہ کو انگریز حکومت نے ضبط کر کے اس کی کاپیاں نذرِ آتش کردیں نیز اس پر پابندی عائد کر دی۔

دوسرے دور کے افسانوں میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی اصلاح کی جانب توجہ دی۔ انہوں نے ہندو معاشرے کی قبیح رسوم پر بے لاگ تبصرہ کیا۔ بیوہ عورتوں کے مسائل، بے جوڑ شادیاں، جہیز کی لعنت، چھوت چھات جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔ اس دور میں وہ سماج کے مصلح کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئے۔ اس دور کے افسانے سماجی مساوات، احترامِ انسانیت، مشرقی و مغربی تہذیب کے فرق اور اخلاقی اقدار کی جانب معاشرے کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ ان کے افسانے 'نجاتِ' 'اکبر'، 'جنتی بیوی'، 'بوڑھی کاکی'، 'دو بیل' اور 'زادِ راہ' اسی طرزِ نگارش کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پریم چند کی تخلیقات کا مرکزی کردار عام آدمی ہے۔ عام آدمی کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی جدوجہد کو انہوں نے اپنے اکثر افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے اپنے اکثر افسانوں میں ایسے کرداروں کو پیش کیا جو سماج میں حقارت کی نظر [illegible] تھے۔ ان کا اسلوبِ نگارش نہایت ہی سادہ اور رواں دواں ہے۔ انہوں نے [illegible] بول چال کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے دیہاتی زندگی [illegible] محور بنایا۔ وہ دیہات کے رہنے والے تھے اس لئے دیہاتی ماحول سے [illegible] کے افسانوں میں دیہات کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو قدم قدم پر محسوس [illegible] افسانے 'پوس کی رات'، 'سوا سیر گیہوں'، 'دو بیل' وغیرہ کسانوں کی غربت [illegible] کرتے ہیں۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں ہندوستان کے دیہات [illegible] والے باشندوں، خصوصاً کسانوں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں [illegible] کے ذریعے کسانوں کو اُن کی گہری نیند سے بیدار کیا۔ وہ اس بات کو [illegible] ہندوستان کی آبادی کا بیشتر حصہ دیہاتوں پر مشتمل ہے اور اگر دیہات کے [illegible] ہو جاتے ہیں تو ہندوستان کی بیداری یقینی ہے۔ پریم چند کے افسانوں میں دیہات [illegible] عکاسی پر تبصرہ کرتے ہوئے سیّد وقار عظیم اپنی تصنیف 'نیا افسانہ' میں لکھتے ہیں۔

"پریم چند نے سب سے پہلے دیہاتی زندگی کے ان گنت مسائل [illegible] افسانوں کے ذریعہ پڑھے لکھے لوگوں کی زندگی سے قریب کیا۔ پہلے پہل لوگوں [illegible] زندگی کو اپنے ملک کی زندگی کا ایک حصہ سمجھنا شروع کیا اور اسی احساس نے [illegible] اور اس زندگی کے چھوٹے بڑے مسئلوں کو سیاسی ادراک کی بنیاد بنا دیا۔ یہاں تک کہ [illegible] ساری قومی اور سیاسی تحریکوں کا تار دیہات اور اس کی زندگی سے بندھا ہوا نظر آنے لگا۔"

پریم چند کے افسانوی سفر کا آخری دور اُن کے افسانوی عہد کا سنہرا [illegible] دور ہے۔ آخری دور کے افسانوں میں پریم چند ایک مفکر اور ایک عظیم افسانہ نگار کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور کے افسانے مقامی ہونے کے [illegible] آفاقی کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ آخری دور میں ان کے افسانوں [illegible] خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں جو عمدہ، معیاری اور شاہکار افسانوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہیں۔ [illegible] اصلاح کو پیشِ نظر نہیں رکھتے بلکہ مادّی حقائق سے مسائل کو پرکھتے بھی ہیں۔ یہ [illegible] نظریات کی پختگی اور ترویج کا دور ہے۔ اس دور کے افسانے فن اور معیار کے لحاظ سے [illegible] ہیں۔ اس دور میں ان کے چار مجموعے 'آخری تحفہ'، 'زادِ راہ'، 'دودھ کی قیمت' اور 'واردات' [illegible] ہوئے۔ آخر الذکر دونوں مجموعوں کی اشاعت ان کی موت کے بعد ہوئی۔ پریم چند کی [illegible] انفرادیت اور اسلوب کا ہر کوئی معترف رہا ہے۔ ان کا اندازِ بیان بھی دلکش اور سیدھا سادہ [illegible] جانے والا تھا۔ اس کی بہترین مثال ان کا آخری افسانہ 'کفن' ہے، جس میں پریم چند نے افسانہ نگاری کی فنی معراج کو پالیا۔ 'کفن' میں قارئین نے ایک نئے پریم چند کو جلوہ گر ہوتے دیکھا۔ [illegible] افسانہ کا موضوع ان کے سابقہ افسانوں سے قدرے مختلف ہے اور ایک نیا پن پردے کے پیچھے سے جھانکتا نظر آتا ہے۔ کرداروں کا عکس بھی چند فریموں میں غیر واضح ہو جاتا ہے۔ انسان کی اندرونی کیفیات اور انسانی فطرت کی جھلک اس افسانہ میں ابہام کی پرپیچ وادیوں کی سیر کراتی ہے۔ [illegible] اپنے وجود کو منواتے ہوئے آگے بڑھتی جاتی ہے نیز کہانی پن کا احساس بھی دلاتی جاتی ہے۔ [illegible] پریم چند کا کمالِ فن ہے۔ 'کفن' کے کردار ہمارے اردگرد سانس لیتے مختلف انسانی خصلتوں کے حامل نظر آتے ہیں۔ ان کی خود غرضی، موقع پرستی اور انتہائی بے حسی کوئی ایسے تعجب خیز [illegible] نہیں ہیں بلکہ ان کرداروں کے رویے بھی انسانی مزاج کے آئینہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں ایک [illegible] خصوصیت سے اس افسانہ میں محسوس کی جا سکتی ہے، وہ ہے واقعات کا تحیّر انگیز امکانات کے ساتھ تغیر پذیر ہونا۔ قاری واقعات کی ترتیب اور کردار کے رویّوں کے متعلق کوئی حتمی اندازہ نہیں لگا پاتا۔ اس افسانہ کے کردار اختتام تک ایسے غیر مستقل پلاٹ میں حرکت کرتے ہیں، جو [illegible]

UGC CARE LISTED,ISSN-2321-1601

ایک نئے رجحان کا پتا دیتا ہے۔ افسانہ کا یہ منفرد انداز اسے پریم چند کے دیگر افسانوں سے جدا کر دیتا ہے۔ جن انسانی رویّوں کو پریم چند نے اپنا موضوع بنایا ہے، وہ واضح طور پر سامنے نہیں آتے۔ کہانی میں کچھ ایسے عوامل بھی موجود ہیں جو علامتوں کے سہارے اپنا سفر طے کرتے ہیں۔ افسانہ 'کفن' انسان کے ماحول کے ساتھ ساتھ اس کے داخلی جذبات اور کیفیات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ یہ افسانہ کسانوں اور پسماندہ طبقے کے لوگوں کی نفسیات کو پیش کرتا ہے۔ اس افسانہ میں حقیقت نگاری اور تخیل پروازی کا حسین امتزاج ہے۔ اس افسانہ کے اہم کردار مادھو اور گھیسو کے اکثر مکالمے انفرادی احساسات اور زندگی کے تلخ تجربات کی عکاسی کرتے ہیں۔

"کیسا بُرا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے، اُسے مرنے پر نیا کفن چاہیے۔"

"کفن لاش کے ساتھ جل ہی تو جاتا ہے۔"

"اور کیا رکھا ہے، یہی پانچ روپے پہلے ملتے تو کچھ دوا دارو کرتے۔"

کفن کے پانچ روپے سے دونوں گوشت پوریاں کھاتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور مرنے والی کو دعائیں دیتے ہیں کہ اُس کے مرنے کے بعد ہی یہ عیش ملا، گویا اُن کی زندگی کی بہت بڑی خواہش پوری ہوئی۔ نشے کی حالت میں گھیسو اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے یہ جواز پیش کرتا ہے

"کفن لگانے سے کیا ملتا ہے، جل ہی تو جاتا، کچھ بہو کے ساتھ تو نہ جاتا۔"

یہ جملے اپنے اندر شدید کرب و اذیت کا احساس لئے ہیں، جس کے سہارے پریم چند سسکتے ہوئی عوام کی تصویر کشی کرتے ہیں، سماج کی بے حسی اور کٹھور پن کو بیان کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر یہ احساس بھی دلاتے ہیں کہ ہم رسم و رواج کے کتنے سخت بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ پریم چند نے اِس افسانہ میں عصری حقائق کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔

پریم چند کے ہاں ہمیں دونوں رویّے ملتے ہیں۔ ایک طرف سماج کی سچی اور کھری تصویریں جبکہ دوسری طرف تخیل کی رنگ آمیزی ملتی ہے۔ پریم چند کے ہاں رومانیت کا تصور ایک سماجی پہلو لیے ہوئے ہے اور وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے انحراف نہیں کرتے۔ پریم چند نے اپنے افسانے 'مس پدما' اور 'دُنی بیوی' میں اپنی روایتی ڈگر سے ہٹ کر تجربے کیے ہیں۔ افسانہ 'مس پدما' میں پدما کا کردار ایک جدید معاشرہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اُس کی آزاد خیالی اور بے باکانہ روش اچھے اچھے روشن خیالوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے۔ عدالت میں وکالت کی پریکٹس کے دوران اس کی خرمستیاں اور ہمیشہ وکلا اور ججوں تک کا اس کے اندازِ دلربائی کا گرویدہ ہو جانا ایک جدید ترین معاشرہ کا آئینہ ہے۔ پھر اپنی بہن رتنا کی اُس کے شوہر سے ناچاقی سے جھلا کر اس مسئلہ کا کارگر حل تلاش کرتے کرتے وہ کب اُسی شیام لال کی خواب گاہ کی زینت بن جاتی ہے اُسے پتا تک نہیں چلتا۔ ان دونوں کا بغیر شادی کیے ایک ساتھ میاں بیوی کی طرح ایک ہی چھت کے نیچے رہنا آج کے جدید معاشرے کی ایک بے باک اصطلاح 'لیو اِن ریلیشن شپ' کا نمونہ ہے جسے پریم چند نے بڑی بیباکی سے پیش کیا ہے۔ ہر چند کہ پریم چند عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے حمایتی تھے، اس کے باوجود وہ آزادیٔ نسواں کے نام پر بے حیائی کی تمام حدوں کو پار کرتی مس پدما کو افسانہ کے کلائمکس تک آتے آتے قابلِ مذمت قرار دیتے ہیں۔ یہ افسانہ پریم چند کی دور اندیشی اور مستقبل کے حالات سے آگہی کی بہترین مثال ہے۔ افسانہ 'دُنی بیوی' میں کرداروں کا بلا جھجک ایک دوسرے سے وابستہ ہو جانا اور مکالموں کا بڑی بے باکی سے اپنے مدعا کی جانب پیش رفت کرنا، ماڈرن سماج کی علامت کے طور پر اُبھر کر سامنے آتا ہے۔

ایک عمر رسیدہ شخص لالہ ڈنگامل سے ایک جوان عورت آشا کی شادی ہر دور کی ایک کھلی حقیقت ہے۔ اس میں قدامت اور جدت کو دخل نہیں، لیکن افسانے کے کردار مہذب خاندان کی روایتوں سے بغاوت کرتے ہوئے جس جرأت مندی کے ساتھ اپنے جذبات سے مجبور ہو کر تمام حدوں کو پار کر جاتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پریم چند کے حاشیۂ خیال میں جدید زمانہ کے کیسے کیسے مناظر رقص کناں ہوتے رہتے تھے۔ اس افسانہ میں آشا کا اپنے ہم سن نوکر جگل سے رشتہ قائم کرنا پریم چند کے نزدیک ایک فطری عمل ہے۔ وہ اس رشتہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کرتے۔ افسانہ 'دُنی بیوی' میں پریم چند کا نظریہ افسانہ 'مس پدما' سے قدرے مختلف نظر آتا ہے۔ وہ کلائمکس تک مس پدما کو تسکینِ جذبات کے لیے اختیار کی گئی بے حیائی کی وجہ سے قابلِ مذمت قرار دیتے ہیں، اس کے برعکس 'دُنی بیوی' میں وہ آشا کے ناجائز جسمانی رشتہ کو اس کی فطری ضرورت قرار دیتے ہیں۔ پریم چند کے مطابق اس افسانہ میں ایک عورت کے بنیادی حقوق غصب ہوئے ہیں لہٰذا اُس کے قدموں کا ڈگمگانا ایک فطری اَمر ہے۔ وہ ایسے حالات میں عورت کی بے راہ روی کا ذمہ دار معاشرہ میں پھیلی بے جوڑ شادی جیسی برائی کو قرار دیتے ہیں۔ اس سے پریم چند کی عورت کی نفسیات سے واقفیت، عورت کے جذبات و احساسات کے تئیں حساسیت نیز عورتوں کے حقوق کی بازیابی کی حمایت جیسے کئی احسن پہلو اُجاگر ہوتے ہیں۔

پریم چند افسانے کے جدید رُجحانات کو بڑی خوبی سے پیش کرنے کا ہنر جانتے تھے، اِسی لیے اُن کے بیشتر افسانوں کے موضوعات، کردار کی تشکیل اور پلاٹ کی ترتیب انھیں جدیدیت کے اُسلوب سے قریب تر کر دیتے ہیں۔ پریم چند کے افسانوی ادوار کا مجموعی طور پر تجزیہ کرنے پر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ وہ ایسے افسانہ نگار ہیں جن کی ہمہ رنگ افسانہ نگاری مختلف مکاتبِ فکر کو مطمئن اور مسرور کرتی ہے۔ اُن کی نگارشات ہر طبقۂ فن کے لئے آبِ حیات فراہم کرتی ہے اور اُردو کے جسمِ نیم مردہ میں آفاقی روح بن کر پورے جوش و ولولہ کے ساتھ گردش کرتی ہے۔

حواشی:

۱۔ تنقیدی زاویے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ مکتبہ اُردو، لاہور۔ ۱۹۵۱ء (ص ۳۴۷)
۲۔ افسانہ اور اس کی غایت۔ احمد صدیق مجنوں۔ ایوانِ اشاعت، گورکھپور۔ ۱۹۳۵ء (ص ۶)
۳۔ ادب کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی۔ نسیم بک ڈپو، لکھنؤ۔ ۱۹۷۲ء (ص ۲۹۱)
۴۔ اُردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید۔ ڈاکٹر پروین اطہر۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔ ۲۰۰۰ء (ص ۱۴)
۵۔ ادب کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی۔ نسیم بک ڈپو، لکھنؤ۔ ۱۹۷۲ء (ص ۳۴۴)
۶۔ نیا افسانہ۔ سیّد وقار عظیم۔ مطبوعہ جناح پریس، دہلی۔ ۱۹۴۶ء (ص ۱۴)
۷۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے۔ ڈاکٹر قمر رئیس۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔ ۱۹۸۶ء (ص ۲۳۹)

ڈاکٹر آفاق انجم شیخ
صدر شعبہ اردو، آرٹس، کامرس اینڈ سائنس کالج جلگاؤں

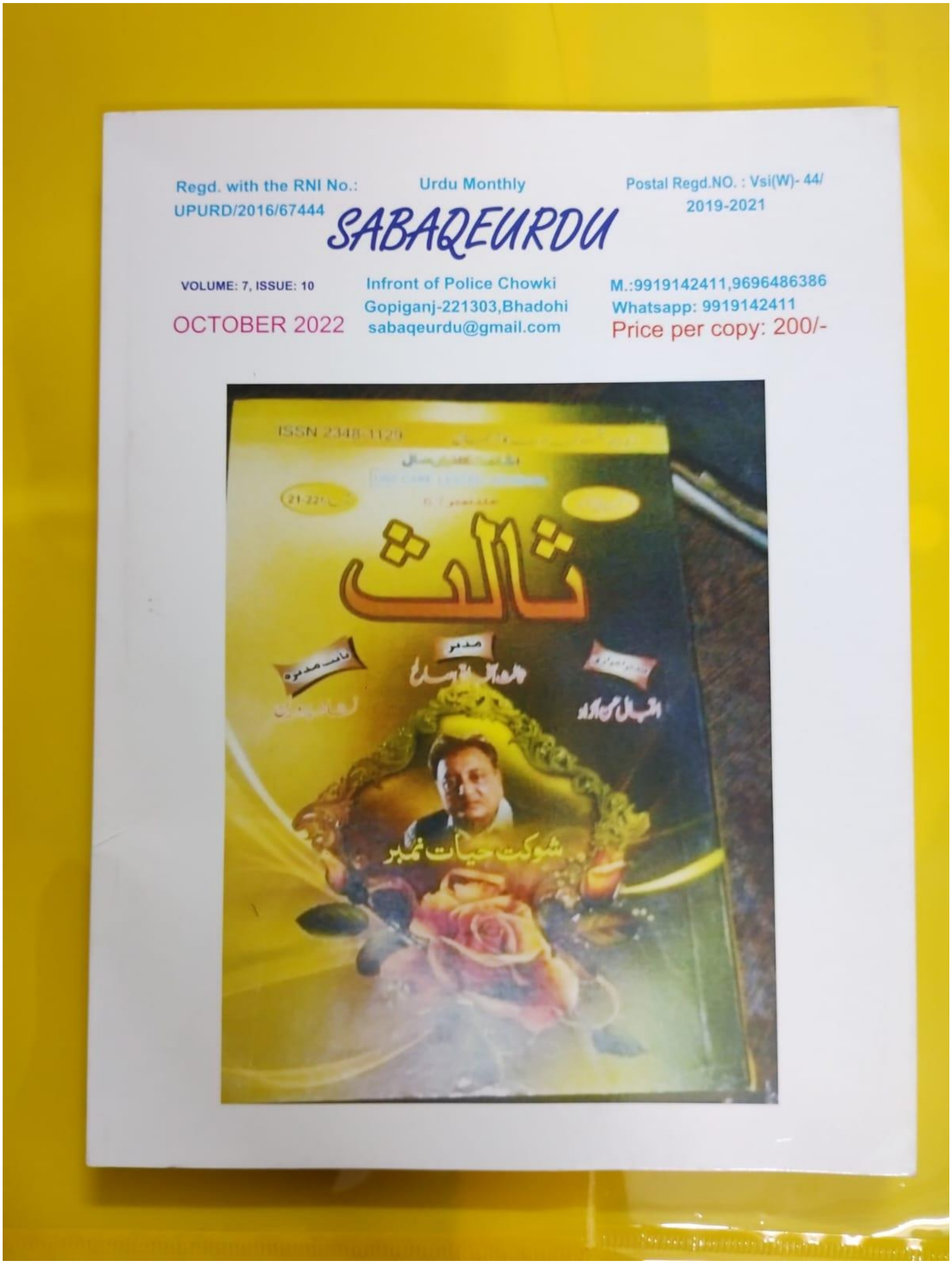

Regd. with the RNI No.: UPURD/2016/67444

Urdu Monthly

SABAQEURDU

Postal Regd.NO. : Vsi(W)- 44/ 2019-2021

VOLUME: 7, ISSUE: 10

OCTOBER 2022

Infront of Police Chowki
Gopiganj-221303,Bhadohi
sabaqeurdu@gmail.com

M.:9919142411,9696486386
Whatsapp: 9919142411

Price per copy: 200/-